© rasailojaraid.com

قسط: ۲۰

ورق ورق زندگی

پروفیسر خالد شبیر احمد

چنیوٹ میں آل پاکستان احرار کانفرنس (دسمبر ۱۹۵۲ء):

ربوہ (چناب نگر) میں قادیانی ہر سال دسمبر کے آخری دنوں میں سالانہ کانفرنس کرتے تھے۔ جس میں تمام دنیا سے قادیانی شرکت کرتے۔ چنیوٹ شہر سے بھی مسلمانوں کو دعوت دی جاتی کہ وہ قادیانیوں کے اس جلسے میں شرکت کریں، مجلس احرار اسلام نے انہی تاریخوں میں قادیانیوں کے مقابلے میں سالانہ کانفرنس کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ احرار ختم نبوت کانفرنس ہر سال چنیوٹ میں ہوتی۔ دسمبر ۱۹۵۲ء کی کانفرنس کئی لحاظ سے احرار کی تاریخ میں نمایاں حیثیت اختیار کر گئی کہ اسی کانفرنس میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے مرزا بشیر الدین کے چیلنج کا جواب دیا تھا۔ میں لدھیانہ سے واپس آیا تو اس کانفرنس میں شرکت کے لیے چنیوٹ آ گیا۔ کانفرنس کی تیاریاں اپنے عروج پر تھیں۔ اور انتظامات کے لیے جماعت نے الگ کمیٹی بنا دی تھی جس کے صدر میرے ماموں میاں غلام مرتضٰی راجھہ تھے۔ اراکین میں ظہور راج، شیر محمد آزاد، نذر محمد کیتھ، شیر محمد وسیر، سالار نذر محمد اعوان اور چند دوسرے احرار شامل تھے۔ کانفرنس جس جگہ ہوئی وہاں آج اسلامیہ ہسپتال ہے۔ اس علاقے میں کہیں بھی کوئی عمارت نہیں تھی اور اس وقت یہ جگہ ایک کھلا میدان تھا جس میں ہزاروں لوگ بیٹھ کر مقررین کو سن سکتے تھے۔

میرے ماموں غلام مرتضٰی نے اس کانفرنس کی تیاری میں رات دن ایک کر دیا۔ شہر اردگرد کے علاقوں میں بڑے وسیع پیمانے پر کانفرنس کا اعلان کیا گیا۔ یہ کانفرنس ہر سال تین دن تک ہوتی اور آخری دن امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا خطاب ہوتا تھا۔ ان دنوں ملک کے اندر قادیانیوں کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں اور انہوں نے ملک میں ہر لحاظ سے اہمیت حاصل کر لی تھی۔ ادھر اس کے جواب میں مجلس احرار کے رہنما بھی ملک بھر میں ان قادیانیوں کے خلاف پورے زور وشور سے کام کر رہے تھے۔ دوسرے شہروں سے بھی لوگ کافی تعداد میں چنیوٹ کی اس تاریخی کانفرنس میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ کانفرنس میں کوئی اہم فیصلہ ہونے والا ہے، کیونکہ چند دن پہلے سرگودھا میں بھی ایک احرار کانفرنس ہوئی تھی جس میں اکابرِ احرار کی تقریروں کا لہجہ انتہائی سخت اور قادیانیت کے خلاف جارحانہ تھا۔ اس لیے کہ قادیانی منصوبے کو ناکام بنانے کا یہی ایک طریقہ تھا کہ ان کے خلاف ایک عوامی تحریک کا اعلان کیا جائے تاکہ تحریک کے ذریعے قادیانیوں کی حکومت پر مکمل گرفت حاصل کرنے کی کوشش کو ناکام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنایا جاسکے۔ چنانچہ ان حالات میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ پورے ملک کے اندر اس کانفرنس کی خاص اہمیت تھی۔

امیر شریعت کا اعلان:

تین دن میں جب آخری رات کو جلسہ شروع ہوا تو امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ چنیوٹ پہنچ چکے تھے اور ان کے ساتھ دوسرے احرار رہنماؤں کے علاوہ اُن کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ جنھوں نے امیر شریعتؒ سے پہلے تقریر کی۔ میں نے اُنہیں ۱۹۴۹ء میں احرار کانفرنس لاہور کے موقع پر ملتان کے جیش کی قیادت کرتے ہوئے دیکھا اور اس کانفرنس میں پہلی دفعہ اُن کی تقریر سے مستفیض ہوا۔ تقریر کیا تھی محسوس ہوتا تھا کہ کوئی مردِ مجاہد میدان جہاد میں تیغ زنی کے جوہر دکھا رہا ہو، تقریر میں فقروں کا تسلسل قابل داد تھا۔ زبان میں جادو سا اثر، علم وفضل کے کرشمے آنکھوں میں نور تو روح میں سرور پیدا کرتے محسوس ہوئے۔ وہاں بیٹھے سامعین سبھی پہلی دفعہ اُنہیں سن رہے تھے اور اُن کی علمی وادبی دسترس پر حیران وششدر بھی تھے اور داد وتحسین کے ڈونگرے بھی برسا رہے تھے۔

آخری تقریر امیر شریعت کی تھی۔ لوگوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا، ہزاروں کا مجمع اُن کی آمد پر کھڑا ہوا اور کافی دیر تک نعروں سے فضا گونجتی رہی۔ امیر شریعت نے اپنے مخصوص انداز میں خطبہ پڑھا اور تقریر کرتے کرتے اس اعلان تک پہنچ گئے جو اعلان متوقع تھا۔ آپ نے کھڑے ہوکر یہ اعلان کیا کہ:

”لے بیٹے محمود تیرا باون (۱۹۵۲ء) تو گزر گیا اب بخاری کا ترپن (۱۹۵۳ء) آرہا ہے ذرا ہوشیار ہو جاؤ۔“

یہی وہ اعلان ہے جس نے اس کانفرنس کو ایک تاریخی کانفرنس کا درجہ دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے قادیانی اخبار الفضل میں قادیانی خلیفہ کے یہ اعلان شائع ہو رہے تھے:

۱۔　سن باون نہ گزرنے پائے ملک کے اندر ایسے حالات پیدا کرو کہ دشمن آغوشِ احمدیت میں پناہ لینے کے لیے مجبور ہو جائے

۲۔　اب وقت آ گیا ہے کہ انتقام لیا جائے گا

۱۔ مُلّا احتشام الحق سے

۲۔ مُلّا عبدالحامد بدایونی سے

۳۔ مُلّا سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے

۴۔ مُلّا ابو اعلیٰ مودودی سے

امیر شریعت نے اسی کے جواب میں ہی کہا کہ ”بیٹا بشیرالدین تیرا باون تو گزر گیا بخاری کا ترپن آرہا ہے ذرا ہوشیار ہو جاؤ۔“

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت شروع ہوئی جس تحریک نے قادیانی عزائم کو خاک میں ملا دیا اور اسی تحریک کے نتیجے میں وزیراعظم خواجہ ناظم الدین اور قادیانی وزیر خارجہ معزول ہوئے پھر اسی تحریک کی کوکھ سے ۱۹۷۴ء کی تحریک نے جنم لیا جس کی وجہ سے ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی کے ذریعے قادیانی کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ امیر شریعت کا یہ اعلان قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت دلوانے کا پہلا مؤثر قدم تھا۔ اس تحریک کے بارے میں جو کچھ فیصل آباد (لائل پور) میں ہوا اس کا ذکر آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیں۔

لدھیانہ کی ہاکی ٹیم کی لائل پور میں آمد:

یہ بات لدھیانہ میں ہی طے ہوگئی تھی کہ لدھیانہ کے زرعی کالج کی ہاکی ٹیم پاکستان آئے گی اور زرعی کالج لائل پور میں قیام کے دوران ہاکی میچ کھیلے گی۔ چنانچہ اسی طے شدہ پروگرام کے مطابق غالباً جنوری ۱۹۵۳ء میں لدھیانہ کی ہاکی ٹیم زرعی کالج پہنچ گئی اور نیو ہاسٹل میں قیام پذیر ہوئی۔ شہر میں اس بات کا چرچا ہوا کہ سکھ پاکستان آئے ہوئے ہیں۔ کئی لوگ صرف سکھوں کو دیکھنے کے لیے زرعی کالج آنا شروع ہوگئے۔ میرا چھوٹا بھائی ظہیر احمد اس وقت چھ سات سال کا بچہ تھا۔ گھر میں جب میں نے کہا کہ سکھ لائل پور زرعی کالج میں آئے ہوئے ہیں تو اس نے بھی مجھے کہنا شروع کر دیا کہ بھائی جان میں نے تو سکھ نہیں دیکھے ہوئے۔ سکھ کیا ہوتے ہیں؟ مجھے بھی سکھ دکھائیں۔ ایک دن میں اسے زرعی کالج سکھ دکھانے کے لیے لے آیا۔ اس وقت سکھ کھلاڑی نہا کر کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے عورتوں کی طرح لمبے بال ان کے کھلے ہوئے تھے۔ جب میں اپنے چھوٹے بھائی کو لے کر نیو ہاسٹل کے کمرے میں داخل ہوا تو اس نے عجیب منظر دیکھا کہ منہ پہ داڑھی اور سر کے بال عورتوں جیسے لمبے تو وہ حیرانی، تعجب اور قدرے خوف زدہ ہو کر میرے ساتھ چمٹ گیا۔ کہنے لگا۔ بھائی جان یہ کون ہیں؟ میں نے کہا یہی تو سکھ ہیں جنھیں تو دیکھنے کے لیے یہاں آیا ہے۔ سکھ کھلاڑی یہ سب دیکھ رہے تھے۔ اس پر وہ خود بھی لطف اندوز ہوئے اور کئی کھلاڑیوں نے تو قہقہہ بھی لگایا۔ انہیں معلوم ہوگیا کہ معاملہ کیا ہے۔ میں نے جواب میں کہا کہ وہی جو آپ سمجھ گئے ہیں۔ میرا چھوٹا بھائی ہے اس کا اصرار تھا کہ سکھ کیا ہوتے ہیں؟ مجھے بھی سکھ دکھاؤ تو میں اسے یہاں آپ کے پاس لے آیا۔ اب یہ حیران ہے کہ کیا انسان ایسے بھی ہوتے ہیں؟ میری اس بات پر بھی انہوں نے کسی قسم کی ناراضی کا اظہار نہ کیا میں اُن کی چارپائی پر بیٹھ گیا اور وہ میرے چھوٹے بھائی کو بڑی محبت کے ساتھ اپنے پاس بٹھا کر اس کے ساتھ باتوں میں مصروف ہوگئے۔ اس پر میں نے کہا کہ اب آپ اسے چھوڑ کر اپنی اس حالت کو تبدیل کر کے آئیں تاکہ میں اسے اصلی سکھ بھی دکھا سکوں۔ سر پہ آپ کے پگڑی ہوگی تو آپ اصلی سکھ ہوں گے اس وقت تو آپ نقلی سکھ ہیں۔ جواب میں انہوں نے کہا کہ پگڑی والا معاملہ تو آپ مسلمانوں کے لیے بھی ضروری تھا آپ نے چھوڑ دیا ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے۔ بہت جلد وہ اندر سے اپنی حالت کو تبدیل کر کے آئے تو پھر اُنہیں چھوٹے بھائی نے دیکھا کہ سر پر پگڑی نے ان لمبے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالوں کو اپنے اندر چھپا رکھا تھا تو میں نے کہا کہ بھائی یہ ہیں وہ سکھ جو تو دیکھنا چاہتا تھا۔

چار پانچ روز تک زرعی کالج کے گراؤنڈ پر ہاکی میچ ہوتے رہے اور شہر کی بھاری اکثریت ان میچوں سے محظوظ ہوتی رہی۔ لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ میچ دیکھنے چلے آتے ،معلوم ہوتا کہ کوئی میلہ سا لگ گیا ہے۔ اُن کے قیام کے دوران وہی سلسلہ رہا کہ رات کو ہم سکھوں کے ساتھ گپ شپ کرتے اور شام کو میچ کھیلتے۔ پرتھی پال سنگھ کے ساتھ میری دوستی ہوگئی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو دوسروں کی نسبت زیادہ توجہ دیتے۔ ایک دن میں نے اسے کہا کہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ایک دن تو بہت بڑا ہاکی کا کھلاڑی بنے گا۔ اُس نے کہا یہ تو کیسے جان گیا ہے میں نے کہا کہ تمہارے کھیل میں جتنی گہرائی میں نے دیکھی ہے، تمہاری پوری ٹیم میں اور کسی میں نہیں۔ اور میری یہ بات درست رہی کہ ایک دن پرتھی پال سنگھ دنیا کا نامور کھلاڑی بن کے اُبھرا اور اسے آج بھی "KING OF SHORT CORNOR" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

بہر حال چند دنوں کے بعد ٹیم واپس چلی گئی اور ہم نے بھی اُنہیں واپسی پر کوئی نہ کوئی تحفہ دیا۔ میں نے پرتھی پال سنگھ کو سیالکوٹ کی بنی ہوئی ہاکی دی جس کا تقاضہ اس نے مجھ سے خود کیا، اور ان کے واپس چلے جانے پر ویسے ہی کیفیت تھی جیسے لدھیانہ سے واپس آتے وقت تھی۔ پھر ہم اس کے بعد ایک دوسرے سے نہیں مل سکے۔ ایک دن اخبار میں خبر پڑھی کہ آل انڈیا ہاکی کھلاڑی پرتھی پال کو لدھیانہ میں گولی مار کے قتل کر دیا گیا۔ تو دل دھک سے بیٹھ گیا انتہائی صدمہ ہوا کہ ایک اچھا کھلاڑی دنیا سے چلا گیا۔ اور شاید مارنے والے بھی سکھ ہی تھے۔ ان دنوں سکھوں کی تحریک چل رہی تھی اور ایسٹ پنجاب کے حالات بڑے خراب تھے۔ انہی خراب حالات کا شکار ہوگیا۔ لیکن ہاکی کی دنیا میں اپنا ایک بڑا نام چھوڑ گیا۔

زندگی ایسا سفر ہے کہ جس میں
لوگ ملتے ہیں سرِ راہ بچھڑ جاتے ہیں

گورنمنٹ کالج لائل پور سے ہاکی میچ اور شکست:

سکھوں کے چلے جانے کے بعد ہماری نظریں گورنمنٹ کالج کے ساتھ یونیورسٹی میں ہونے والے ہاکی میچ پر جمی تھیں دن رات خوب محنت کی جا رہی تھی۔ خاص طور پر مجھ پر اس میچ کا بہت زیادہ دباؤ تھا کہ میں گورنمنٹ کالج چھوڑ کر زرعی کالج آیا ہوا تھا۔ صورت حال یہ تھی کہ ان کی فارورڈ لائن انتہائی مضبوط تھی۔ جس میں سرور اعوان اور سیف لودھی شہید خاص طور پر خطرناک کھلاڑی تھے۔ وہ مضبوط سے مضبوط دفاعی لائن کو توڑ کر بھی گول کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے، ادھر ہماری ٹیم کا دفاع تو مضبوط و مستحکم تھا لیکن فارورڈ لائن کمزور تھی۔ چنانچہ جس دن میچ ہوا سارا شہر زرعی کالج کے ہاکی گراؤنڈ پر پہنچا ہوا تھا۔ وہی روایتی نعرے فضا میں بلند ہو رہے تھے۔ ہل پنجالی ہائے ہائے، گاجر مولی ہائے ہائے، جواباً گورنمنٹ کالج کے خلاف جو نعرے عموماً لگائے جاتے وہ وہی تھے۔ سرخی پاؤڈر ہائے ہائے، شیشہ کنگھی ہائے ہائے، جیسے جیسے نعرے بلند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتے میچ میں تیزی آتی اور لوگ ہمارے میچ سے محظوظ ہوتے۔ پہلے روز میچ برابر رہا، ہار جیت کا کوئی فیصلہ نہ ہوا تو یونیورسٹی کی طرف سے مقرر کردہ ریفریوں نے کہا کہ کل اسی گراؤنڈ پر دوبارہ میچ ہوگا۔ دوسرے دن پھر وہی صورت تھی۔ گراؤنڈ لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔نعرے لگ رہے تھے اور میچ اپنے جوبن پر تھا۔لیکن دوسرے دن کے میچ میں گورنمنٹ کالج نے ہماری زرعی کالج کی ٹیم کو ایک گول سے ہرا دیا۔ اور ہم اس شکست پر بڑے رنجیدہ ہوئے لیکن یہ شکست کا صدمہ عارضی نوعیت کا ہوتا ہے اور پھر کچھ ہی عرصے بعد شکست کی کیفیت پر قابو پالیا جاتا ہے۔مگر میرے لیے یہ شکست عارضی نہ تھی بلکہ ایک عرصے تک میرے لیے پریشانی کا باعث بنی رہی اور گورنمنٹ کالج کے کھلاڑی مجھ پر طنز اور طعن کے تیر برساتے رہے اس لیے میں انہیں چھوڑ کر زرعی کالج آ گیا تھا۔ بہر حال اس شکست کے بعد ہمارا ہاکی کا عرصہ ختم ہوا اور کلاسوں میں باقاعدگی کے ساتھ جانا شروع کیا تو پھر میرے اس خیال کو مزید تقویت ہوئی کہ میں اس کالج میں نہیں پڑھ سکتا۔اتنے مضامین اور پھر ریاضی کا مضمون یہاں پر انگریزی میں پڑھایا جاتا جو میری سمجھ سے بالاتر تھا۔لیکن اب مسئلہ یہ تھا کہ زرعی کالج سے کیسے نجات حاصل کی جائے۔اس کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ بشیر جو میرے سکول فیلو تھے اور میرے ساتھ اسی کالج میں تھے۔ وہ بھی اس بات کا اظہار کرتے تھے کہ کالج تو بڑا خوبصورت ہے لیکن یہاں پر میرا ابھی جی نہیں لگا۔کبھی کبھی ہم اس کالج کی تعریف میں اتنا آگے نکل جاتے کہ عمارت کو تاج محل سے تشبیہ دیتے اور پھر ہنس پڑتے تھے۔ کہ یہاں پر زندہ دفن ہیں۔جن کی زندگی اتنی مشکل ہے کہ اُنہیں زندہ نہیں مردہ ہی کہنا چاہیے۔ بہر حال یہ سب کچھ ہم دونوں کے لیے ہی تھا۔ وہ طلباء جو ہاسٹل میں مقیم تھے اور جن کا کسی کھیل سے بھی کوئی تعلق نہیں تھا اُن کا معاملہ ہم سے مختلف تھا۔ دراصل یہ کالج صرف اور صرف اُن طلباء کے لیے ہی تھا۔ جو بیرون شہر اور دوسرے ملکوں کے تھے اور ہاسٹل میں قیام پذیر تھے۔

بہر حال کالج جاتے اور گھر آجاتے۔ کچھ دنوں کے بعد میں نے دیکھا کہ بشیر کالج میں نہیں آتا۔ میں نے اس کے گھر میں جا کر ملاقات کی اور کالج سے مسلسل غیر حاضر رہنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا میں نے تو کالج چھوڑ دیا ہے۔ میں نے ''مائی گریشن'' کر لی ہے اور گورنمنٹ کالج میں آ گیا ہوں۔ میں سن کر حیران ہو گیا کہ یہ کیسے ہوا۔ کہنے لگا میں نے ''مائی گریشن'' کی درخواست ہیڈ کلرک کو دی اس نے دوسرے کاغذوں کے درمیان میری وہ درخواست بھی رکھ دی۔ پرنسپل نے دستخط کر دیے تو ہیڈ کلرک نے درخواست دے دی اور میں اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے کہا کہ تو نے تو اپنی جان چھڑا لی ہے اب میں کیا کروں۔ اس نے جواب میں کہا کہ تو بھی وہی کر جو میں نے کیا ہے۔ میں نے بھی ایسا کیا۔لیکن میری درخواست ہیڈ کلرک نے بجائے پرنسپل کے سامنے رکھنے کے ہمارے ہاکی کے انچارج ڈاکٹر عبدالحفیظ کو دے دی، اس پر مجھے ڈاکٹر عبدالحفیظ اور غلام رسول نے طلب کر لیا۔ اور سرزنش کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا اور تم کیا کر رہے ہو۔ ہم تمہیں کالج نہیں چھوڑنے دیں گے۔تم ہماری اجازت کے بغیر کسی اور کالج میں داخل نہیں ہو سکتے اگر تم نے ایسا کیا تو اپنا تعلیمی مستقبل تباہ کر لو گے۔ اس پر میں پریشان تھا کہ اب کیا کروں۔ کچھ ہی دنوں کے بعد تحریک ختمِ نبوّت ۱۹۵۳ء شروع ہو گئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحریک ختمِ نبوّت ۱۹۵۳ء میں شرکت:

بس پھر کیا تھا کہ میں نے کالج جانا چھوڑ دیا اور تحریک کے رضا کاروں کے ساتھ مل کر تحریک کے ساتھ وابستہ ہو گیا۔ جماعت احرار لائل پور کے ساتھ میرا تعلق اور رابطہ تو تھا ہی میں جماعت کی سرگرمیوں میں حصہ دار رہا اور تمام رضا کار اور عہدیدار مجھے ذاتی طور پر جانتے بھی تھے۔ مولانا عبداللہ احرار، مولانا تاج محمود صاحب کے ساتھ میرے خصوصی تعلقات تھے اس لیے کہ یہ دونوں حضرات والد صاحب کے ذاتی دوستوں میں شمار ہوتے تھے۔ پھر عالم بٹالوی ''عالم کافی ہاؤس'' کے مالک کے ساتھ بھی میرا اچھا خاصا تعلق تھا۔ اُن کے کافی ہاؤس میں دن رات شہر کے دانش ور، سیاسی کارکن اور جلسہ میں شرکت کرنے والے لیڈر حضرات بھی ضرور آتے اور مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے۔ یہ ''عالم کافی ہاؤس'' دن رات کھلا رہتا تھا اس کا سرے سے کوئی دروازہ ہی نہیں تھا۔ اس لیے کہ اسے بند کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی۔ عالم بٹالوی بڑے دھڑلے کے احراری کارکن تھے۔ گورداس پور سے اُن کا تعلق تھا اور وہ ہمیں گورداس پور کے احرار رضا کاروں کے واقعات سناتے اور ہم محظوظ ہوتے۔

تحریک جب اپنے جوبن پر تھی تو ہم نے گھر جانا ہی چھوڑ دیا۔ جامع مسجد کچہری بازار تحریک ختمِ نبوّت ۱۹۵۳ء کا مرکز بن گئی تھی۔ دیہات سے آنے والے سیکڑوں کی تعداد میں وہ لوگ جو اس تحریک میں اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کرنے کے خواہش مند ہوتے یہیں مقیم تھے۔ لوگوں نے آٹا، دال، شکر، گڑ اور دیگر اشیائے خورونوش مسجد میں جمع کرانا شروع کر دیے، لوگ مسجد کی دیوار کے ساتھ بکرے باندھ جاتے تا کہ گرفتاری پیش کرنے والوں کی کھانے پینے کی ضروریات کو پورا کیا جا سکے۔ ایثار، قربانی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت ومحبت کے فقید المثال مظاہر دیکھنے کو ملے۔ لوگوں کا اندازِ فکر یکسر تبدیل ہو گیا تھا۔ ہر شخص تحریک میں کسی نہ کسی صورت میں مدد دینے کے لیے ہر وقت تیار رہتا اور کوشش کرتا کہ قادیانیوں کے خلاف یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو۔ اور یہ سب اس لیے تھا کہ مجلس احرارِ اسلام نے پچھلے چار برسوں میں پورے ملک کے اندر جلسے کر کے لوگوں کی قادیانیت کے خلاف ذہن سازی کی تھی لوگوں کو قادیانیت اور اس کے مذموم مقاصد، ملک کے خلاف اُن کے عزائم سے متعارف کرایا تھا۔ اور لوگوں کو باور کرایا کہ قادیانی اسرائیل اور امریکہ کے تعاون سے اس ملک کو اپنی گرفت میں لا کر پورے پاکستان کو اپنے چنگل میں جکڑنے کا منصوبہ بنا چکے ہیں اور اُنہیں اس منصوبے میں ناکام اور نامراد کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کیا جائے۔ تحریک کے بنیادی تین مطالبات بھی اس کی تائید کرتے ہیں:

۱۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے

۲۔ قادیانی وزیر خارجہ کو معزول کیا جائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ بڑے بڑے سرکاری عہدوں سے قادیانیوں کو ہٹایا جائے

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ علامہ اقبال نے بھی انگریزی دورِ اقتدار میں حکومتِ وقت سے کیا تھا۔ سر ظفر اللہ نے پاکستان کے وزیرِ خارجہ کی حیثیت میں پوری دنیا کے اندر قادیانیت کو فروغ دینے اور اسے دنیا کے مختلف ممالک میں اپنے اڈے قائم کرنے کے مواقع مہیا کیے۔ روپیہ پاکستان حکومت کا تھا جسے قادیانیت کی بین الاقوامی سطح پر تبلیغ اور نشر و اشاعت پر صرف کیا گیا بہر حال لائل پور میں دوسرے ملک کے اہم شہروں کی طرح تحریک بڑی کامیابی کے ساتھ چل رہی تھی۔ کسی قسم کی کوئی تخریبی کارروائی یا واقعہ دیکھنے میں نہیں آیا تھا پر امن طریقے سے تحریک چل رہی تھی۔ جس کا طریقہ کار یہ تھا کہ نمازِ ظہر کے بعد مسجد جلسہ عام ہوتا، جس میں مختلف مدرسہ فکر، دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث اور مجلس احرار کے رہنماؤں کی تقریریں ہوتیں۔ جس کے بعد شہر کے مختلف محلوں سے جلوس نکلتے اور وہ چوک گھنٹہ گھر میں جمع ہوتے۔ پھر کچہری بازار کی مسجد میں جمع ہونے والے ہزاروں افراد جنھوں نے اس روز اپنی گرفتاری پیش کرنا ہوتی گلے میں پھولوں کے ہار ڈال کر باہر نکلتے اور گھنٹہ گھر کے اس جمِ غفیر میں شامل ہو جاتے۔ گھنٹہ گھر کے چوک پر پھر تقریریں ہوتیں۔ قادیانیت کے محاسبے پر گفتگو ہوتی اور پھر ہزاروں نہیں لاکھوں انسانوں پر مشتمل جلوس رہنماؤں کی قیادت میں اُن رضا کاروں کو ساتھ لیے ڈسٹرکٹ جیل جوزرعی کالج کے ساتھ تھی روانہ ہو جاتا۔ ختمِ نبوّت زندہ باد، قادیانیت مردہ باد کے نعروں سے شہر کی پوری فضا گونج اٹھتی۔ پُر امن جلوس جیل کے دروازے تک جاتا جہاں اُن رضا کاروں کو گرفتار کر لیا جاتا اور اس کے بعد جلوس منتشر ہو جاتا۔ اس کے بعد ہم رضا کار واپس آ کر اگلے دن کے پروگرام وضع کرتے۔ بے شمار رضا کار جو گرفتاری کے لیے شہر اور شہر کے گرد و نواح سے آئے ہوئے ہوتے اُنہیں کھانا وغیرہ کھلاتے اور اس طرح ہمارا کام اختتام پذیر ہوتا۔

میری پٹائی ہوئی:

لائل پور کی مرکزی قیادت نے فیصلہ کیا کہ شہر کی مقتدر شخصیتوں کو بھی جلوس کی قیادت کرنے پر زور دیا جائے۔ اسی فیصلہ پر عمل کرنے کے لیے ایک دن جلوس شہر کے ایم۔ ایل۔ اے شیخ محبوب الٰہی کی کوٹھی کے سامنے اکٹھا ہوا اور تقاضہ کیا گیا کہ آج جلوس کی قیادت شیخ محبوب الٰہی کریں۔ کوٹھی کے باہر نعرے لگائے جا رہے تھے کہ اسی دوران کچھ لوگ کوٹھی کے اندر چلے گئے جن میں چند نوعمر لڑکے بھی تھے۔ میں بھی اُن لوگوں میں شامل تھا جو کوٹھی کے اندر گئے۔ چند لوگوں نے کوٹھی میں رکھے پودوں کو نقصان پہنچانا شروع کیا۔ کچھ توڑ پھوڑ بھی ہوئی۔ کچھ لڑکوں نے چند کنکر کوٹھی کے اندر پھینکنے شروع کیے تو میں نے انہیں روکنے کی کوشش کی۔ اس وقت میرے ہاتھ میں ایک چھوٹی سے چھڑی تھی جو میں ان لڑکوں کو روکنے کے لیے ان کے سروں پر ماری تو انہوں نے جواباً مجھے کہا کہ ”یہ قادیانی ہے اسے پکڑلو“ بس پھر کیا ہوا کہ لوگوں نے مجھے مارنا شروع کیا۔ لاتوں اور مکوں کی بارش مجھ پر ایسی ہوئی کہ میں بے حال ہو گیا۔ میں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ میں قادیانی نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوں۔ اسی اثنا میں چندرضا کاروں نے مجھے دیکھ لیا اور انہوں نے بصد کوشش مجھے ان شریر لڑکوں سے بچالیا۔ میرے پورے جسم پر چوٹوں کے نشان تھے۔ سر کی ہر جگہ مکوں کی وجہ سے ابھر آئی اور بالکل بے ہوشی کی حالت میں جلوس سے باہر آیا۔ جسم کا ہر حصہ درد سے چُور چُور ہو گیا۔ مجھے ایک محفوظ جگہ بٹھایا گیا۔ چند رضا کاروں نے میرے جسم کو دبایا پانی پلایا اور مجھے حوصلہ دیا۔ جس کے بعد کچھ ہوش آیا اور پھر اسی حالت میں جلوس میں شامل ہو گیا۔ لیکن میں آج بھی جب اس پٹائی کا خیال کرتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ اگر مجھے نہ بچایا جاتا تو نہ جانے میرے ساتھ کیا ہوتا۔ یہ بھی ختمِ نبوّت کا ہی صدقہ ہے کہ زندہ ہوں ورنہ اس دن موت اور میرے درمیان کچھ زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔

ڈپٹی کمشنر نے جلوسوں کی قیادت کی:

دوسرے دن اسی فیصلے کے تحت جلوس ڈپٹی کمشنر کی کوٹھی کے اندر چلا گیا اور ڈپٹی کمشنر لائل پور سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ باہر آ کر جلوس کی قیادت کریں۔ یہ مطالبہ اتنا شدید تھا کہ ڈپٹی کمشنر کو اپنی کوٹھی سے باہر آنا پڑا اور جلوس کی قیادت کرنا پڑی۔ جلوس ڈپٹی کمشنر کی ساتھ والی سڑک سے جیل تک پہنچا۔ اور اس سارے سفر میں ڈپٹی کمشنر جلوس کے آگے آگے رہے۔ وہاں پر رضا کاروں کی گرفتاریوں کا عمل مکمل ہوا تو ہم حسبِ معمول واپس کچہری مسجد میں آئے اور اپنے کاموں میں مصروف تھے کہ رات گیارہ بجے ہمیں اطلاع ہوئی کہ جن رضا کاروں کو گرفتار کیا گیا تھا اُنہیں جیل سے سڑک پر لایا گیا اور پولیس نے ان پر لاٹھی چارج کر کے اُنہیں زخمی کر دیا ہے۔ اس پر پوری مسجد میں کہرام مچ گیا، ہزاروں کی تعداد میں لوگ جیل کے باہر جمع ہوئے تو دیکھا کہ وہ تمام افراد جنھوں نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا تھا زخمی حالت میں پڑے شدتِ درد سے کرّاہ رہے تھے انہیں وہاں سے اٹھایا گیا اور مختلف ہسپتالوں میں داخل کرایا گیا۔ کسی کی ٹانگ اور کسی کا بازو ٹوٹ گیا تھا۔ کسی کے سر پر شدید چوٹ اور کسی کی کمر زخمی تھی۔

یہ صورت حال انتہائی تشویش ناک تھی۔ رات کو ایک بجے کے قریب مسجد کے اندر اُن تمام اکابر کا ہنگامی اجلاس ہوا۔ جس کی صدارت مولانا تاج محمود نے کی اور اس واقعہ پر گفتگو ہوئی کہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت اب اس پُر امن تحریک کو تشدّد کے ذریعے کچلنا چاہتی ہے۔ ملک کے دوسرے شہروں سے بھی جو خبریں آ رہی تھیں اُن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ تحریک کا پُر امن آگے کی طرف بڑھنا حکومت کے لیے بہت بڑا چیلنج بن چکا ہے۔ اس لیے اب حکومت یہ چاہتی ہے کہ تحریک کو تشدّد کے ذریعے کچل دیا جائے۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ مجلسِ عمل کو جس کی قیادت میں یہ تحریک چل رہی تھی خواجہ ناظم الدین نے جو اُس وقت پاکستان کے وزیرِ اعظم تھے اپنی آخری ملاقات میں صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ دیکھیے:

''میں آپ کے مطالبات کو پورا نہیں کرسکتا۔ اس سے امریکہ ناراض ہو جائے گا اور ملک میں اس وقت گندم کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قحط ہے امریکہ گندم بند کردے گا اور لوگ بھوک سے مرجائیں گے“

پھر مرکزی مجلس عمل کی پوری قیادت جس میں مجلسِ عمل کے صدر مولانا ابوالحسنات قادریؒ امیر شریعتؒ اور دوسرے بڑے علما انہیں کراچی میں ہی گرفتار کرلیا گیا تھا۔ جس کے بعد یہ تحریک شروع ہوئی اور پورے ملک کے اندر پھیل گئی تھی۔

ان حالات میں لائل پور کی قیادت نے یہ فیصلہ کیا کہ کل کے جلوس کو کنٹرول کرنے کے لیے خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ سی۔ آئی۔ ڈی کو سفید کپڑوں میں جلوس میں شامل کیا جا سکتا ہے اور وہ لوگ توڑ پھوڑ کی کارروائیوں سے پولیس کو ایکشن لینے کا جواز پیدا کریں گے لہٰذا محتاط رہنا ہوگا۔ اس پر ہم سب پریشان بھی ہوئے اور سوچنے لگے کہ کیسے اس صورت حال کو کنٹرول میں رکھا جا سکتا ہے جس کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

دوسرے دن حالات قابو سے باہر ہوگئے۔ عام لوگ بھی پہلی رات کے واقعے سے مشتعل نظر آئے۔ دکانوں کو بند کرانا شروع ہوگیا۔ پتھروں کی بارش نے رضا کاروں تک کو زخمی کر دیا۔ ایک جگہ جارحانہ کارروائیوں کو روکتے تو دوسری جگہ شروع ہو جاتی۔ لیکن اس کے باوجود جلوس اپنے معمول کے مطابق آگے بڑھتا اور اپنی منزلِ مقصود پر جا کر ہی ختم ہوا۔

گولیاں اور شہادتیں:

اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ہمارے یعنی رضا کاروں کے کنٹرول سے باہر تھا۔ ایک دن مرکزی مسجد میں اطلاع آئی کہ جھال خانوالہ کے پھاٹک کے قریب کراچی سے آنے والی گاڑی کو لوگوں نے سگنل سے باہر روک رکھا ہے۔ گاڑی میں بیٹھے مسافر پریشان ہیں اور خطرہ ہے کہ وہاں حکومت کی طرف سے کوئی ناخوش گوار واقعہ رونما نہ ہو جائے۔ لہٰذا رضا کاروں کا ایک جتھا وہاں جائے اور تدبّر وحکمت کے ساتھ ریلوے لائن پر دھرنا دینے والوں کو اس کام سے روکے کہ یہ بات تحریک کے خلاف ہے اور اس سے تحریک کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ ان رضا کاروں کے ساتھ میں بھی وہاں چلا گیا۔ رضا کاروں نے پہلے تو دھرنا دینے والوں سے بات چیت کی اور انہیں سمجھایا کہ یہ جو کچھ آپ کر رہے ہیں یہ تحریکِ مقدس کے ضابطوں کے خلاف ہے اس طرح آپ اس تحریک کو ناکام بنانے کی نادانستہ کوشش کر رہے ہیں۔ اگر آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت ہے تو پھر اس کام کو چھوڑ دیں اور ریل گاڑی کو لائل پور ریلوے سٹیشن تک پہنچنے دیں۔ ہمارا یہ وعظ ان پر اثر کر گیا اور دھرنا ختم کر دیا گیا۔ ریل گاڑی چل پڑی تو ہم کیا دیکھتے ہیں کہ سٹیشن کی سمت سے ملیشیا پولیس کے پندرہ بیس سپاہی سٹی مجسٹریٹ کی معیت میں نمودار ہوئے اور انھوں نے لوگوں کو بغیر وارننگ دیے فائر کھول دیے، رضا کار اور عام شہری اس فائرنگ کی زد پر تھے۔ کچھ لوگ ادھر اُدھر ہوگئے اور میں بھی ایک طرف ریلوے لائن کے ساتھ زمین پر لیٹ کر یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جن کو گولی لگتی وہ جواب میں اپنے پورے جوش کے ساتھ ختمِ نبوّت کا نعرہ بلند کرتے اور اُنہی سپاہیوں سے بندوقیں چھین تو لیتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی زمین پر گر کر اپنی جان اللہ کی خوش نودی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کے تحفظ پر قربان کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتے۔ تین چار لوگ اُسی جگہ پر دم توڑتے شہید ہوگئے تو پولیس وہاں سے چلی گئی۔ ریل گاڑی تو اس واقعے سے پہلے ہی سٹیشن پر پہنچ چکی تھی۔ رضا کاران شہیدوں کی میت کو ادھر اُدھر سے چار پائیاں مانگ کر اپنے ساتھ ہی تحریک کے مرکز کچہری بازار کی جامع مسجد میں لے آئے اور مسجد کے تالاب کے پاس اُن کی نعشیں رکھ دی گئیں۔ شہر میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور مشتعل لوگ گھروں سے نکل کر باہر آ گئے۔ حکومت کے خلاف، وزیراعظم کے خلاف اور وزیراعلیٰ پنجاب کے خلاف نعرے بازی اتنی شدید تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ ہزاروں لوگوں کا اجتماع چند ہی گھنٹوں میں مسجد اور اس کے اردگرد جمع ہوگیا تھا۔ اب ان لوگوں کو نظم وضبط اور قابو میں رکھنے کا مرحلہ درپیش تھا۔ مولانا تاج محمود اور دوسرے رہنماؤں نے ہاتھ جوڑ جوڑ کر لوگوں کے اس جوش کو ٹھنڈا کیا۔ اس عرصے میں شہداء کے ورثاء بھی مسجد پہنچ چکے تھے ان سے مشورہ کر کے شہیدوں کو دوسرے روز عید باغ میں جنازے کے بعد بڑے قبرستان میں دفن کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ دوسرے روز ان شہیدوں کی نماز ظہر کے بعد عید باغ دھوبی گھاٹ لے جایا گیا۔ ان گنت لوگ جنازے کے ساتھ تھے اور اُن کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور شہر کے سب سے بڑے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ اس کے بعد ایک جنوب بازار میں بھی گھنٹہ گھر کے قریب گولی چلی جس میں کچھ لوگ شہید ہوئے اُس چوک کو کچھ لوگ اب بھی شہید چوک کے نام سے جانتے ہیں۔

لاہور میں مارشل لا، لاہور میں لوگوں کی شہادتیں۔ ان تمام واقعات کے صورت یہاں تک پہنچی کہ مسجد ہی کو سیل کر دیا گیا۔ اذانیں بند، نمازیں بند اور کئی دن تک وہاں پر پولیس کا پہرہ رہا۔ کسی کو ادھر جانے کی اجازت نہیں تھی۔

مولانا تاج محمود کی گرفتاری:

ایک روز مولانا تاج محمود جن کی قیادت میں یہاں لائل پور میں تحریک چل رہی تھی انہیں بھی گرفتار کرلیا گیا۔ جو روپوش تھے لیکن اس کے باوجود گرفتار ہوگئے تو پھر ہم نوجوانوں نے اس تحریک کو خفیہ طور پر چند روز تک جاری رکھا ہم پندرہ بیس لڑکے گرفتاری دینے والوں سے خفیہ رابطہ رکھتے اور کسی وقت بھی انہیں گھنٹہ گھر لے آتے اور اُن کو ہار پہنا دیتے لوگ جمع ہوجاتے اور پولیس اُنہیں گرفتار کر کے لے جاتی۔ اب حکومت کے کارندے پریشان تھے کہ یہ کون لوگ تحریک چلا رہے ہیں۔ چند ہی دن گزرے کہ ہمارے چند ساتھی گرفتار ہوگئے۔ اب معاملہ ہمارے بس سے باہر تھا۔ مجھے کسی نے کہا چنیوٹ میں بھی تحریک جاری ہے۔ چنانچہ میں لائل پور سے چنیوٹ چلا آیا اور یہاں پر وہی کام شروع کر دیا۔ جو لائل پور میں کرتا رہا تھا۔ چنیوٹ میں تحریک کے بارے اگلی قسط میں پڑھیے۔ (جاری ہے)

☆☆☆

© rasailojaraid.com